عابد سیال *

کلاسیکی چینی شاعری میں انسان دوستی

دن نکلتا ہے تو ہم بھی نکلتے ہیں
اپنے اپنے کاموں کی طرف
شام ڈھلتی ہے تو سمٹ آتے ہیں
اپنی اپنی آرام گاہوں کی طرف
پانی پیتے ہیں کنوئیں کھود کر
کھاتے ہیں اپنا اُگا کر
کسی 'شہنشاہ' کو ہم سے کیا لینا؟

یہ ترجمہ ہے اس چینی نظم کا جس کا عنوان ''دہقان کا گیت'' ہے۔اس کا شاعر معلوم نہیں لیکن اس کے بارے میں یہ یقین کیا جاتا ہے کہ یہ معلوم چینی شاعری کی پہلی نظم ہے۔ یہ نظم فطرت سے محبت، خود انحصاری اور شخصی آزادی کا ایسا اعلان ہے جو چین کی ادبی روایت کو سمجھنے کی کلید تو ہے ہی،اس سے چینی قوم کی مادی ترقی اور زمانۂ حال تک اس کے تاریخی ارتقا کے سفر کو سمجھنے کی راہیں بھی روشن ہوتی ہیں۔یہ نظم نہایت ترقی یافتہ سماجی اور سیاسی شعور کا تخلیقی اظہار ہے۔ آفتاب اقبال شمیم اس نظم کے بارے میں لکھتے ہیں:

نظم ''دہقان کا گیت'' کے خالق اس دور کے کسان تھے جو کنوئیں کھودتے اور زمین

بنیاد جلد ۵، ۲۰۱۴ء

> کاشت کرتے تھے لیکن ساتھ ہی ساتھ خواب بھی دیکھتے تھے۔ ’’دہقان کا گیت‘‘ جسے چینی شاعری کی پہلی نظم کا درجہ دیا جاتا ہے اسی خواب اور اسی آدرش کا اظہار کرتی ہے۔ انفرادی آزادی اس گیت کا مرکزی موضوع ہے اور اسی موضوع کو بعد میں آنے والی شاعری میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔[1]

O

انسان دوستی موجودہ زمانے میں ایک کثیرالجہت اور کثیرالمعنی مرکب ہے۔ اگرچہ تاریخ عالم کے ہر عہد کے مفکرین کے افکار میں انسان دوستی کے عناصر کسی نہ کسی حوالے سے موجود رہے ہیں تاہم بطور اصطلاح اس کا استعمال یورپ میں نشاۃ ثانیہ کے بعد ہوا۔ اصطلاحاً انسان دوستی ایسے فلسفوں اور اخلاقی تناظرات کا مجموعہ ہے جو انسان کی انفرادی اور اجتماعی عظمت کو اجاگر کرتے ہیں اور کسی ایقان و عقیدے کی نسبت عقلیت کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ انسان دوست فلسفوں میں انسان مرکزِ کائنات ہے۔ اس کا ماضی، اس کا حال اور مستقبل کے امکانات سب کچھ انسان ہی کا پیدا کردہ ہے۔ انسان دوستی میں عقلیت، اخلاق، انصاف سبھی کچھ شامل ہے لیکن اس کے اصول کسی ماورائی ہستی یا طاقت کے بنائے ہوئے نہیں ہیں بلکہ خود انسان نے تہذیبی عمل سے گذر کر انھیں تراشا ہے اور یہ انسان کی صلاحیت، مہارت اور جدوجہد کا ثمر ہیں۔ یوں اپنی اصل میں انسان دوستی ایک سیکولر نقطۂ نظر ہے جو مذہبی یا مابعدالطبیعیاتی فکر کی نفی کرتا ہے۔ لیکن بعد میں ’مذہبی انسان دوستی‘ بھی ایک ذیلی اصطلاح کے طور پر اس میں شامل ہوئی اور ان مذہبی فلسفوں کو بھی اس میں شامل کر لیا گیا جو انسان دوستی کے اخلاقی اور سماجی عناصر کی حمایت کرتے ہیں۔ انسان دوستی کے مفہوم میں یہ وسعت بعض مذہبی گروہوں کے انسان دوستی کے تصور کو accommodate کرنے کے لیے پیدا کی گئی ہے، ورنہ اصلاً انسان دوستی کے تصور میں مذہب کی گنجائش نہیں نکلتی کیونکہ ہر مذہب انسان کی ضرورتوں اور اس کے مفادات کا تحفظ اور اس کی صلاحیتوں کا اعتراف کرنے کے باوجود اسے کسی نہ کسی صورت میں ایسے نظریات اور ضابطے کا پابند ضرور بنانا چاہتا ہے جو اس (انسان) کا بنایا ہوا نہیں۔ اور یہ بات فلسفیانہ سطح پر انسان دوستی کے بنیادی تصور کے خلاف ہے۔

انسان دوستی کے فکری دائرے کا مرکز ایک ہی لفظ ہے اور وہ ہے ’انسانی آزادی‘۔ لہٰذا ہر وہ پابندی، جو مقتدر اور اجارہ دار طبقے، ریاست، قانون، اخلاق، اقدار و روایات یا مذہب کے نام پر لگائیں اور جو فرد کی تخلیقی صلاحیتوں کے روبہ عمل لانے کی راہ میں رکاوٹ بنے، انسان دوستی کی رُو سے، انسانی استحصال کی ایک شکل ہے۔ اور استحصال کے بارے میں لینتیف نے نہایت بلیغ جملہ کہا ہے کہ:

> انسان کے ہاتھوں انسان کے استحصال کے معنی یہ ہیں کہ بعض لوگ دوسروں کی قیمت پر زندگی بسر کرتے ہیں۔[2]

اور دوسروں کی قیمت پر زندگی بسر کرنا بقائے باہمی کے بنیادی اصول کے منافی ہے۔

O

ایشیا میں ایسے فلسفوں کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے جنھوں نے ماورائی طاقتوں کی نفی کی یا انسان کی مرکزیت پر زور دیا، تو تقریباً ایک ہزار قبل مسیح میں ہندوستانی فلسفے میں لوکایاتا (Lokayata) اور کارواکا (Carvaka) نظام ملتا ہے۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں گوتم بدھ نے ماورائے فطرت طاقتوں کے بارے میں تشکیک کا رویہ اختیار کرتے ہوئے، اور فاقہ کشی اور مجاہدے کو بے نتیجہ سمجھتے ہوئے یہ کہا کہ:

> جیسا بھی سچ انسان تک پہنچ سکتا ہے، وہ ایک صحت مند جسم اور تنومند دماغ کے ذریعے ہی ممکن ہے۔[3]

بدھ کی تعلیمات کے بارے میں ایچ جی ویلز نے لکھا ہے کہ:

> ان میں ذہنی راستی، مقاصد اور گفتگو کی راستی، کردار اور معاشی سرگرمی کی راستی پر اصرار موجود ہے۔ یہ ضمیر کو حوالہ بناتی ہیں اور فراخدلانہ اور منکسرانہ مقاصد پر زور دیتی ہیں۔[4]

گویا زندگی راستی کا نام ہے اور انسان اپنے ضمیر کو جواب دہ ہے۔

چین میں Huangdi کو انسان مرکز فلسفے کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ King Wu of Zhou کا یہ مشہور جملہ کہ ’’انسانیت ہی دنیا کا جوہر مفید ہے‘‘ انسان دوستی کے رویے کا واضح اعلان ہے۔

تاؤمت کے پیشواؤں نے بھی فطرت اور انسان سے محبت کا درس دیا۔ سیکولر انسان دوستی کے ضمن میں سب سے مشہور شخصیت کنفیوشس کی ہے جس نے لادینی اخلاقیات کے فلسفے کی تعلیم دی۔ اس کا فلسفہ ماورائے فطرت طاقتوں کے احکامات کی پیروی کی بجائے انسانی اقدار پر مبنی ہے۔ اسی زمانے کا ایک اور مفکر لاؤزے ہے جو شخصی آزادی کا علمبردار تھا۔ ڈاکٹر وہاب اشرفی لکھتے ہیں:

> عہدِ عتیق میں چینیوں کا مذہب طاؤئیت (تاؤمت) تھا۔۔۔ بعدازاں جب کنفیوشس پیدا ہوا تو قدیم چینی مسلک کی بنیادیں متزلزل ہوئیں۔ مذہبی ضابطوں میں تغیر رونما ہوا۔ اس کے اثرات کی وجہ سے کچھ روایتی رسوم در آئے، لیکن توحید کے بارے میں کوئی تصور نہیں ابھرا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس نے مذہبی معاملات سے زیادہ اخلاقی اور فلسفیانہ امور کی طرف توجہ کی جن کے اثرات دُوررس رہے اور ایک زمانے تک اہالیانِ چین کے کردار کی تعمیر و تشکیل میں معاون رہے۔۔۔ لاؤزے نے انفرادی آزادی کے احترام پر زور دیا۔ یہ مفکر بھی امن خواہ اور اخلاق مبلغ تھا۔ وہ کنفیوشس کی طرح شہنشاہی نظام کا قائل نہ تھا بلکہ انسان پر انسان کی حکمرانی کو جائز تصور نہیں کرتا تھا۔[۵]

اسی عہد میں چین کی تاریخ پر مبنی کلاسیکی کتاب *Zuo Zhuan* جس میں آٹھویں سے پانچویں صدی قبل مسیح کی تاریخ بیان کی گئی ہے، Ji Liang سے یہ جملہ منسوب ہے:

> Peoples is the zhu (master, lord dominance, owner or origin) of gods. So to sage kings, people first, god second.[۶]

یوں یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہو گا کہ انسان دوستی کے بنیادی تصورات قدیم دور میں بھی ایشیائی ممالک ہندوستان اور چین میں قابلِ لحاظ حد تک ترقی یافتہ شکل میں موجود رہے ہیں۔

O

قدیم تہذیبوں میں چین سے بڑھ کر ترقی یافتہ اور اعلیٰ درجے کی کوئی تہذیب نہیں ہے۔[۷] چینی ادب عالمی ادبی ورثے میں اس بنا پر نہایت اہمیت کا حامل ہے کہ اس کی تاریخ بلاتعطل تین ہزار سال کو محیط ہے۔ اس کی وجہ چینی زبان ہے جو اس طویل عرصے میں تلفظ، مقامی لہجوں، اور چینی تصویری علامتوں، جنھیں 'کیریکٹرز' کہا جاتا ہے، کی تصویری ساخت میں معمولی تبدیلیوں کے علاوہ بہت حد تک

مستحکم رہی اور کسی بڑے انقلاب سے دوچار نہیں ہوئی۔ حتیٰ کہ بیرونی حملہ آوروں کے جزوی یا مکمل قبضے کے بعد بھی حملہ آوروں کو چینی زبان ہی دفتری زبان کے طور پر اختیار کرنی پڑی کیونکہ خود ان کے پاس ایسی کوئی ترقی یافتہ زبان نہیں تھی جسے تحریری مقاصد کے لیے استعمال کیا جا سکتا۔ اور چونکہ زبان کلچر کا سب سے طاقتور مظہر ہوتی ہے اس لیے یہ تمام حملہ آور، ماسوائے منگولوں کے، چینی کلچر کے رنگ میں ایسے رنگے گئے کہ ان کا ادب بھی چینی ادب کا تسلسل ہی ثابت ہوا اور چینی ادب کے ارتقا میں کوئی خلل واقع نہ ہوا۔

چین کے کلاسیکی ادب کا دور شیا خاندان کے زمانے سے لے کر چنگ خاندان کے دور تک سمجھا جاتا ہے جس کے اقتدار کا خاتمہ بیسویں صدی کی پہلی دہائی کے اختتام پر ہوا۔ چینی کلاسیکی ادب کا یہ سفر عہد بہ عہد تبدیلیوں سے گذرتے ہوئے تسلسل کے ساتھ رواں رہا۔ اس دور کی زبان موجودہ چینی کی قدیم شکل ہے اور اس کے صحیح مفہوم تک پہنچنے کے لیے اسے توجہ سے پڑھنا پڑتا ہے۔ چونکہ اس ادب کا بیشتر حصہ طاقتور مرکزی حکومتوں کے دور میں تخلیق ہوا، لہٰذا یہ غلامی اور جاگیردارانہ کلچر سے متعلق خیالات سے بھرا ہوا ہے۔

> چین کی یہ اہم صفت بھی قابلِ توجہ ہے کہ اس نے حملہ آوروں کو اپنی تہذیب و ثقافت میں ڈھالا ہے نہ کہ انھوں نے دوسروں کی ہیئت اختیار کی۔[۸]

کچھ چینی کلچر کی اپنی طاقت اور کچھ بیرونی دنیا سے رابطوں کے فقدان کے باعث اس دور کے چینی ادب پر کسی بیرونی کلچر کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا۔

چینی تاریخ نگار چین کی تاریخ کا آغاز عموماً شیا خاندان کی شاہی حکمرانی کے دور سے کرتے ہیں۔ اس خاندان کا تعلق تاریخ کے دیومالائی دور سے ہے اور ڈھائی سے تین ہزار سال قبل مسیح میں شمالی چین کی زمامِ اقتدار اس خاندان کے ہاتھوں میں رہی۔ دنیا کی دیگر دیومالائی ہستیوں کی طرح اس دور کے بادشاہوں کے ساتھ بھی تقدس اور احترام کے جذبات وابستہ کیے جاتے ہیں۔ بقول آفتاب اقبال شمیم:

> یہ شہنشاہ دنیاوی طاقت کا سرچشمہ ہونے کے ساتھ ساتھ شرافت اور تہذیب و اخلاق کے قدیم نظریات کی اعلیٰ ترین نمائندگی بھی کرتے تھے۔ پرانے تاریخی شواہد کے

مطابق یہ شہنشاہ مرنے سے پہلے اپنا اقتدار اپنی اولادوں کو نہیں بلکہ اس دور کی کسی عالی مرتبت شخصیت کے سپرد کرتے۔[9]

انھی نیک دل اور فرشتہ صفت حکمرانوں کے دور میں چین کی شاعری کی تاریخ کے مطابق پہلی نظم ''دہقان کا گیت'' تخلیق ہوئی جس کا تذکرہ آغاز میں کیا گیا۔

''دہقان کا گیت'' اور ابتدائی دور کی دیگر سینکڑوں نظموں کا ماخذ شیہہ چنگ ہے جس کا معنی ہے شاعری کی کتاب۔شیہہ چنگ چین کی شعری روایت کا نقشِ اوّل ہے اور اسے چینی شاعری کی بائبل تصور کیا جاتا ہے۔ کلاسیک کا درجہ پانے والی یہ کتاب چین کے عظیم دانشور کنفیوشس نے مرتب کی۔ اس کتاب کی تین سَو سے زائد نظمیں ایسی ہیں جو شانگ خاندان کے دورِ حکومت (۱۷۶۶۔۱۱۵۵ق م) میں کہی گئیں۔چو خاندان، جو کنفیوشس کا اپنا دور ہے، کے امرائے سلطنت اور عوام کی تخلیق کردہ نظمیں بھی اس مجموعے میں شامل ہیں۔ یہ روایت بھی موجود ہے کہ اس مجموعے میں ایسی نظمیں بھی شامل ہیں جو زمانۂ قدیم سے صدری روایت کے ذریعے عوام میں مقبول تھیں لیکن ضبطِ تحریر میں نہ آئی تھیں۔ عہد بہ عہد منتقل ہوتی ہوئی یہ نظمیں اس دور میں جب لکھی گئیں تو اپنی بہترین شکل میں محفوظ ہوئیں۔

چینی شاعری میں عموماً حساس موضوعات کو بالواسطہ طریقے سے بیان کیا جاتا ہے۔ شیہہ چنگ کی نظموں میں بھی ایسی ہی صورت ہے اور یہ قاری سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ شاعر کا مافی الضمیر سمجھنے کے لیے کچھ کوشش سے کام لے گا۔ بالواسطہ اظہار کا یہ طریقہ عموماً اس لیے اختیار کیا جاتا تھا کہ افکار وجذبات کے غیرمحتاط اظہار پر اعضا شکنی اور چہرہ مسخ کرنے جیسی سخت جسمانی سزائیں دی جاتی تھیں، جن سے بچنے کا واحد راستہ خودکشی کی صورت میں کھلا چھوڑا جاتا تھا۔ اس لیے شاعر اپنے غم و غصے اور نفرت کا اظہار ظلم اور ظالم کے تذکرے کے بجائے کسی قدرتی مظہر کی غیرخوش کن صورت حال کے بیان کے ذریعے کر دیتے تھے۔ مثلاً کسی ایسے درخت کا ذکر جو بے برگ و بار ہو۔ یا کسی غیرمتوقع طوفان یا سیلاب کی یورش، یا افسردہ ستاروں کا جھرمٹ وغیرہ۔ لیکن راست اظہار پر مشتمل نظمیں بھی ملتی ہیں۔ مردوں کے معاشرے میں عورت کا صنفی استحصال اور ظالم و جابر حکمرانوں کے

ہاتھوں مظلوم ومحکوم عوام کی حالتِ زار اوران کا غم وغصہ موجودہ دنیا میں انسان دوستی کے علمبرداروں کے ہاں مقبول ترین مسائل (issues) ہیں۔ تین ہزار سال قبل کی چینی شاعری میں ان موضوعات کا اظہار اور سلیقۂ اظہار ملاحظہ کیجیے۔شیہہ چنگ میں شامل نامعلوم شاعروں کی نظموں میں سے دو نظموں کا نمونہ پیش خدمت ہے:

''صنوبر کی ناؤ''

صنوبر کی اس ناؤ میں
بہاؤ کے رخ پر تیرتے ہوئے
جلتی سلگتی ہوئی، میں سو نہیں سکتی
میرے غم میرے دل میں ہیں
اور اس سفر سے کھل کر دل بہلانے کے لیے
میرے پاس شراب بھی ہے

یہ دل کوئی آئینہ نہیں جس میں تم اپنا چہرہ دیکھ پاؤ گے
آہ، میرے سخت گیر بھائی
نا قابلِ اعتبار
جنھیں میں نے اپنا دکھڑا سنایا
لیکن حاصل......صرف ان کا غصہ
یہ دل پتھر بھی نہیں
جسے لڑھکا دیا جائے یا کھلونا سمجھا جائے
نہ دہلیز پر پڑی چٹائی ہے
جسے تہ کر کے ایک طرف رکھ دیا جائے
میں 'عورت' ہوں، پارسائی کا پیکر

کسی تنومند پہاڑی درخت کے مانند
مجھ میں کوئی کجی، کوئی خامی نہیں
میرا دُکھا ہوا دل چاند کے بدلتے ہوئے رنگ کے ساتھ پیلا پڑتا جاتا ہے
نفرت ہے مجھے
ان بیکار چیزوں سے،
اور اس حقیر مجمعے سے
جو میرے دروازے تک آ پہنچا ہے،
اور اس کی کمینگی سے بھی

اندیشوں سے گھرے دل میں
میرے لفظ خاموش ہیں
پھر بھی ہر دن نئی رسوائیوں کو جگاتا ہے

سورج کا قیام ایک دن کا ہے، چاند کوچ کرتا ہے......
انھیں یہی کرنا ہے
سو وہ کریں
لیکن میرا لباس ہر روز وہی دل شکستگی، وہی اَن دُھلا پیرہن

میں یہاں خاموش پڑی ہوں
مگر لفظوں کو اُڑ جانے دو
وہاں جہاں جامۂ جسم نہ گھِسے نہ پھٹے

دوسری نظم کا عنوان ”قبرستان“ ہے:

”قبرستان“

اس زمین پر ہر طرف
جھاڑیاں بے طرح اُگ آئی ہیں
وقت آ گیا ہے انھیں کاٹنے کا
ہمارا حکمران اچھا آدمی نہیں
اور یہ بات سارا ملک جانتا ہے

یہ زمین گھِر گئی ہے
اونچے جنگلی درختوں سے
ایسے درخت جن کی طرف صرف اُلّو آتے ہیں
اُلّو، بُرے شگون کے پرندے

بُرا آدمی ہے وہ
ہم گاتے ہیں
ہم آواز ہو کر
تا کہ ہمارے لفظ
سُنے جائیں دُور تک
پھر بھی وہ سُنی اَن سُنی کر دیتا ہے
جب وہ اپنی بربادی کے دن دیکھے گا
تو ہمیں یاد کرے گا[۱۰]

چینی سے انگریزی اور انگریزی سے اردو، ترجمہ در ترجمہ کے عمل سے گذر کر اپنی غنائی، صوتی

اورشعری خوبیوں اورثقافتی روابط سے بڑی حد تک محروم ہو جانے کے بعد بھی ان نظموں کے موضوعات اوران میں سرایت کیے ہوئے جذبات کی تاثیر حیرت انگیز حد تک باقی ہے۔

کنفیوشس کا تعلق شمالی چین سے تھا اور شیہہ چنگ کے تخلیق کار بھی اسی علاقے سے تھے۔ اسی دور میں جنوب میں ایک مختلف تہذیب پنپ رہی تھی۔ جنوب کے حکمران شمالی حکومت کے باجگوار تھے لیکن اپنی ثقافتی برتری کا احساس رکھتے تھے۔ انھی میں چھویوآن (۳۴۳۔۲۷۸ ق م) بھی تھا جوایک حکومتی سفارت کار تھا۔ چھویوآن چینی شاعری کا پہلا غیرگمنام شاعر ہے۔ چھویوآن ایک عالی ہمت اورانسانی شرف کا پاسدار شخص تھا۔ وہ شمالی حکمرانوں کی سخت گیری اور استحصالی رویوں کے خلاف برسرپیکار رہا۔ اس کے ہاں انسان دوستی اوراعلیٰ اخلاقی اقدار کے فروغ کی خواہش نظر آتی ہے۔ پہلا غیرگمنام شاعر ہونے کے علاوہ چھویوآن کا دوسرا اعزاز یہ ہے کہ وہ چینی شاعری کی طویل ترین نظم ''لی ساؤ'' کا خالق ہے۔ چینی نظمیں مختصر ہوتی ہیں اور عام طور پر آٹھ دس یا زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ ''لی ساؤ'' ایک طویل نظم ہے جو پانچ سو سے زائد مصرعوں پر مشتمل ہے۔ چینی شاعری کی روایت میں اپنی غیرمعمولی طوالت اورموضوع کے اعتبار سے اسے چینی رزمیہ بھی کہا جاتا ہے، اگرچہ اس میں اس طرح کے عناصر موجود نہیں جو دنیا کے عظیم رزمیہ ادب میں ملتے ہیں۔ نظم اپنے آغاز میں شاعر کی شرافت ونجابت ، اس کی خاندانی عظمت، اس کے عظیم باپ کے تذکرے، اس کے باسعادت نام، اس کی پیدائشی صلاحیتوں، اور خداداد قابلیت کا تعارف بڑے دلفریب انداز میں پیش کرتی ہے۔ بعد میں چھویوآن کی سیاسی زندگی اوراس عہد کے سیاسی ماحول کو پورے سماجی شعور کے ساتھ بیان کرتی ہے۔ بقول لیوو وچی:

> یہ نظم اس (چھویوآن) کی سیاسی زندگی کی داستان بیان کرتی ہے؛ شہنشاہ اور ریاست کو راہ راست پر رکھنے کی اس کی کوششیں؛ درباری معاملات میں اس کی تگ و دو اور مخالفین سے شکست کھانا، اس کی دیانتداری اور وفاداری جو اسے دنیاداری کے پُرپیچ اور کج نہاد طریقوں کے لیے غیرموزوں بناتی ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود پرانے اطوار پر کاربند رہتے ہوئے وہ انسانی ہمدردی اوراپنے کردار کی پاکیزگی کو برقرار رکھتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ اپنی عزت و وقار کی بالیدگی کی کوشش جاری رکھتا ہے؛ جسے

> نظم میں ان پھولوں کے حسن اور خوشبو کی علامتوں کے ذریعے ظاہر کیا گیا ہے جنھیں وہ آرائش کے لیے استعمال کرتا ہے۔"

لی ساؤ (غم کے محاذ پر)

''میں آ کھڑا ہوا ہوں
خطرے کی چٹان پر
جب سوچتا ہوں کہ میں یہاں کیوں پہنچا
تو بھی پچھتاتا نہیں ہوں
ایک ٹیڑھے اوزار کو سیدھا دستہ لگانا......
اس 'جرم' میں مارے گئے
اگلے وقتوں کے کئی لائق لوگ''

''میری نسل اپنے رویے چھپانے میں
بڑی پُرکار ہے
ان میں سے کون ہے جو فیصلہ کر سکے
میرے اچھے یا بُرے ہونے کا
عام لوگوں پر اچھائی اور بُرائی عیاں ہے
صرف مقتدر طبقہ یہ فرق کرنے سے عاری ہے
وہ اپنے کمربند سجاتے ہیں
بدبودار جڑی بوٹیوں سے
اور کہتے ہیں کہ پھول مناسب نہیں ہوتے
پہننے کے لیے
جو فرق نہیں کر سکتے ......شگوفے اور بدبودار کائی میں

وہ نگینوں کے جوہری کیسے ہو سکتے ہیں؟

لبریز کر کے اپنے عطر دانوں کو ...... غلاظت سے

وہ کہتے ہیں کہ سیاہ مرچیں خوشبودار نہیں ہوتیں''[۱۲]

چھو یوآن اپنے آقاؤں کی بے حسی پر مایوسی اور جھنجھلاہٹ کا اظہار کرتا ہے۔ اس کے ہاں ایک اور قابلِ توجہ نکتہ جمود اور ٹھہراؤ کی، جسے معاصر سیاسی اصطلاح میں 'سٹیٹس کو' کہا جا سکتا ہے، مخالفت ہے۔ حکمرانوں کی بے حسی اور عوام کی حالتِ زار سے لاپرواہی اس کے لیے سیاسی نعرے کی بجائے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔

''میں نے سخت نفرت کی

پارسائی کا لبادہ اوڑھے اپنے آقا کی ملوّن مزاجی سے

جس نے کبھی کوشش نہیں کی

اپنے لوگوں کے دل کی بات سمجھنے کی

اس کی بہت سی بیویاں مجھ سے کینہ رکھتی ہیں

میری خوبصورتی کی وجہ سے

اور باہم سرگوشیاں کرتی ہیں

کہ میں اپنے ہنر سے آقا کو مطیع کرنا چاہتا ہوں

چونکہ فریبی ہیں

وہ اور اس زمانے کے سب بے ہودہ لوگ

پیمانہ و مسطر لے کر

چیزوں کو غلط طور پر سیدھا کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں

چاک کی لکیر کی طرح

منحنی شکلیں بناتے ہوئے

فریبی 'چاؤ' کے طور طریقوں کو اپنے لیے نمونہ بنائے ہوئے ہیں

اس ٹھہری ہوئی حالت میں میں مایوسی اور عدم یقین کا شکار ہوں

کیا صرف میں ہی ہوں جو محسوس کرتا ہوں آج کل کی زندگی کی سختی کو؟

کاش میں یہاں کھڑے ہو کر یہ سب کچھ دیکھنے کی بجائے

مر جاتا ...... وطن سے دُور کہیں بھٹکتے ہوئے''[۱۳]

ان آخری سطروں کی ایک عجیب مماثلت غالب کے اس شعر کے ساتھ ہے جس میں غالب نے کہا۔

مجھ کو دیارِ غیر میں مارا وطن سے دُور
رکھ لی مرے خدا نے مری بے کسی کی شرم

لیکن غالب کے ہاں یہ بات تخیّل کی حد تک رہی جبکہ چھو یوآن نے اس صورتِ حال سے دل برداشتہ ہو کر دریائے میلیو (Miluo) میں ڈوب کر واقعتاً خودکشی کر لی۔[۱۴]

اس کی المناک موت کے بعد وسیع پیمانے پر اس کے طرزِ کلام کی پیروی کی گئی اور آئندہ تقریباً پانچ صدیوں تک شاعری اس کے اعجازِ سخن کے سحر کی اسیر رہی اور اس کے بعد لکھی جانے والی نظمیں 'ٹی ساؤ کی نظمیں' کہلاتی رہیں۔

انسان دوستی کے بنیادی تصور کے قریب رہتے ہوئے چینی شاعری کا جھکاؤ روحانی اور مابعدالطبیعیاتی وارداتوں کی بجائے ارضی زندگی کی طرف زیادہ ہے۔ ہان دور کے ایک نامعلوم شاعر کی ایک نظم کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو جس میں زندگی کے عارضی ہونے کا احساس ہے لیکن اس کا مداوا اس قلیل دنیاوی زندگی میں عیش کوشی کے رویے کے ذریعے کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

انسانی زندگی تو بس ایک رات کا قیام ہے، اور کچھ نہیں

کیا کوئی زیادہ طویل العمر ہو سکتا ہے پتھر یا لوہے سے

ان گنت 'سال' آتے ہوئے اور جاتے ہوئے

کوئی صوفی، کوئی دانا ان کے ساتھ ہمیشہ نہیں رہ سکا
اور کچھ لافانی ہونا چاہتے ہیں فاقہ کر کے اور پھٹے پرانے کپڑے پہن کر،
کچھ دواؤں کا سہارا لیتے ہیں عمریں لمبی کرنے کے لیے

اچھا ہے،
شراب کے نشے میں رہو
اور عمدہ ریشمی لباس پہنو[15]

دائمی زندگی کے تصور کی نفی کرتے ہوئے عیش کوشی کے اس رویے کے برعکس بعد کے دور کے ایک شاعر جوان چی (۲۶۳۔۲۱۰ق م) کے ہاں ایک دوسرا رویہ موجود ہے جو چینی شاعری کا دوسرا مقبول رجحان ہے؛ یعنی فطرت کے ساتھ وابستگی۔ قدیم چینی مذہب تاؤ مت میں فطرت سے وابستگی پرستش کی حد تک موجود تھی اور یہ وابستگی چینی کلچر کے تمام مظاہر بشمول شاعری میں بہت نمایاں ہے۔

کون کہہ سکتا ہے
کہ عظیم دانشور
خواہ وہ کتنے ہی روشن دماغ تھے
مرجانے کے بعد
باقی رہ سکیں گے؟

بھری بہار میں دیکھو
آڑو اور آلو بخارے کے پودوں کو
ان میں سے کون سا ہے
جو ہمیشہ کے لیے اسی جوبن پر رہے گا

کیا کوئی شخص خواہ وہ کوئی شہزادہ ہی کیوں نہ ہو

وقت کی گردش سے محفوظ رہ سکتا ہے؟
وقت سب سے ایک جیسا سلوک کرتا ہے

لیکن میں یہاں کھڑا ہو کر
چنگ شان پہاڑ کو دیکھتا ہوں
جو سدابہار ہے
اور اس کی یہ دائمی کیفیت
میرے دل کا قرار ہے[16]

یہاں پہاڑ کی حیثیت علامتی ہے جس سے دائمیت کے معنی پیدا کر کے شاعر اپنے اس جذبے کی تسکین کرتا ہے۔ اس شاعر کی یہ نظم بھی قابلِ توجہ ہے جس میں بیان کیے گئے کردار پر زندگی کے دن آسان ہیں لیکن مظاہرِ فطرت کو دیکھ کر اس کا دل ان بچھڑے ہوئے دوستوں اور عزیزوں کی یاد سے بھر جاتا ہے جو عدم آباد جا بسے ہیں۔ وہ افسردگی کے احساس کو اپنے تخلیقی عمل میں جذب کرتا ہے اور پھر اسے لفظوں کی صورت مجسم کر کے اپنی نظموں کے پیکر تراشتا ہے۔

لوگ کہتے ہیں
زندگی کٹھن ہے
لیکن میں تو اپنے دن بسر کر سکتا ہوں
آزادانہ گھومتے پھرتے،
میرے سامنے آنگن میں،
ان پھولوں سے لدے درختوں کے بیچ،
اور ان کی نرم و ملائم چھاؤں میں
میرا خیال عدم کی طرف جا نکلتا ہے

مگر وہاں آہستہ خرامی کرتے ہوئے

دوستوں اور عزیزوں کے چہرے ابھرتے ہیں

اور پھر ہر طرف اندھیرا

سو دل کا غبار نکالتا ہوں

لفظوں میں

اور ان لفظوں سے مجسّم کرتا ہوں

اپنی افسردگی کو

اور پھر یہ نظمیں

مشرق کی سمت اُڑتے پرندوں کے ہاتھ روانہ کر دیتا ہوں[17]

چینی شاعروں کے ہاں ارضی زندگی سے محبت کے رویے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ صبر و قناعت اور درویشی کی زندگی سے کنارہ کش ہیں۔ ان کا اصل مسئلہ آزادہ روی ہے اور ظاہر ہے کہ اس کی بنیاد خودداری ہے۔ تیرھویں صدی کے شاعر یوپیو (۱۲۲۰ء۔۱۳۰۰ء) کی ایک نظم کا اقتباس ملاحظہ ہو جس میں غربت کا احساس ہے لیکن وہ افسردہ نہیں۔ عظمت، سچائی، شاعری، تاریخ اسے ہر چیز کا ادراک ہے اور سب سے بڑھ کر اپنی آزادی کا۔

میں جانتا ہوں، عظمت کیا ہے، اور بدنامی کسے کہتے ہیں

لیکن میں اپنی زبان بند رکھتا ہوں

کون سچا ہے، اور کون جھوٹا ؟

میں بس خاموشی سے اپنا سر ہلاتا ہوں،

کیونکہ میرا سروکار نظموں سے ہے یا قوموں کی تاریخ سے

میں اپنے ہاتھ باندھتا ہوں اور انھیں صاف رکھتا ہوں

میں اتنا غریب ہوں جتنا کوئی ہو سکتا ہے

پھر بھی میں آزاد اور باوقار ہوں

ہوا کی طرح جو آزادی سے چلتی ہے[18]

ایک اور صدی کا سفر طے کر کے قناعت و خودداری کا یہ رویہ نسبتاً اور زیادہ واضح تمثالوں کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ چودھویں صدی کے شاعر سُن کان تسو کی ایک نظم ملاحظہ ہو جو روزمرہ گھریلو اشیا کے امیجز استعمال کر کے دنیاوی اسباب کی کمیابی لیکن متاعِ قناعت کی فراوانی کا اظہار کرتا ہے :

آٹا کڑوا پڑ گیا ہے

ڈبے میں پڑی گندم خراب ہو چکی

میرا چمچ ٹوٹ چکا ہے، اور

میرے کاسے میں دراڑ آ گئی ہے

نمک نہیں ہے، بس دو ایک پیاز ہیں

میرے دل میں قناعت کی قند ہے

سو یہ میٹھا ہے،

دنیا کی کسی بھی میٹھی شے سے زیادہ[19]

پال کرٹز نے انسان دوستی کا جو ڈیکلریشن پیش کیا ہے اور جس پر دنیا کی متعدد انسان دوست تنظیموں کے نمائندگان کے دستخط ہیں اس کی ایک شق میں فنونِ لطیفہ کے فروغ پر بھی زور دیا گیا ہے کیونکہ یہ انسان کی آزادی کے اظہارات ہیں۔ اٹھارویں صدی کے ایک چینی شاعر یوان مے ای (۱۷۱۶ء۔۱۷۹۸ء) کے ہاں ہمیں فنونِ لطیفہ سے رغبت کا اظہار بہت نمایاں انداز میں ملتا ہے۔ وہ زندگی میں حرکت و عمل کو پسند کرتا ہے اور فطری صلاحیتوں کو رُوبہ کار لانے پر زور دیتا ہے۔ اس کی نظمیں مختصر لیکن بھرپور تاثر والی ہیں۔ اس کی ایک نظم ہے ”بولنے کا فن“۔

”بولنے کا فن“

مصوری نام ہے ’روح‘ اور ’جوہر‘ کو گرفت میں لینے کا

شاعری میں ’فطرت‘ اور ’محسوسات‘ ہیں

ایک نفیس اژدر ہے، جس سے زندگی کی رمق رخصت ہو چکی ہو
ایک چوہا بہتر ہے، جس میں کچھ تیزی باقی ہو[20]

اسی طرح دوسری نظم ''گھنٹی'' کے عنوان سے ہے:

''گھنٹی''

قدیم مندر، جس کے پجاری جا چکے ہیں،
بدھا کا مجسمہ گر چکا ہے
اکیلی گھنٹی
شام کی سرخی میں بلندی پر معلّق ہے

کتنی اداس
موسیقی سے لبریز---
آہ، صرف ایک کھنکھناہٹ
لیکن کون ہمت کرے[21]

آخر میں یوان مے ای کی ایک ایسی نظم پیشِ خدمت ہے جو انسان کے جینے کی ایک ایسی سطح کا منظر دکھاتی ہے جو میرے اور آپ کے لیے، جو لفظ و معنی کی دنیا سے رشتہ جوڑے بیٹھے ہیں، قابلِ رشک اور باعثِ تقویت ہے۔ غم و اندوہ اور کرب کی نوع بہ نوع صورتوں سے بھری اس دنیا میں دیکھیے کہ اس 'مخلوق' کا کرب کیا ہے۔ نظم کا عنوان ہے ''مطالعہ''۔

''مطالعہ''

میں سکون میں آجاتا ہوں
جب میں کتاب بند کرتا ہوں
اگر کھولتا ہوں تو کرب میں مبتلا ہوتا ہوں

بنیاد جلد ۵، ۲۰۱۴ء

کتابیں طویل ہیں اور دن مختصر
خود کو چیونٹی محسوس کرتے ہوئے
کون پہاڑ کو حرکت دینے کی تمنا کر سکتا ہے
یا اس آدمی کی طرح
جو سحر کا انتظار کرتا ہے
ہاتھ میں چراغ تھام کر

میں دس کتابیں پڑھتا ہوں، تو ایک یاد رہتی ہے
میرا غم بڑھتا ہے
کہ اگلے ہزاروں برسوں میں
اتنی زیادہ کتابیں ہوں گی، شاید حساب سے باہر

سو اگر میں خواہش کرتا ہوں کہ میں کوئی ماورائی مخلوق ہوتا
یا خدا سے کچھ اور برسوں کی زندگی مانگتا ہوں
تو اس لیے نہیں کہ میں شبنم پینے کی ہوس رکھتا ہوں
یا پرستانوں کی سیر کرنا چاہتا ہوں......
ہر وہ لفظ جو لکھا گیا ہے
میں ہر اس لفظ کو پڑھنا چاہتا ہوں، اور بس![22]

○

انسان دوستی کے یہ رویے عہد بہ عہد کلاسیکی چینی شاعری میں اپنی ارتقائی صورتوں کے ساتھ موجود ہیں۔ ہر عہد کی شاعری میں کسی نہ کسی حوالے سے یہ رویہ آگے بڑھتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ چین کی موجودہ ثقافتی، معاشی اور تہذیبی صورتِ حال کے پیچھے ایک طویل سفر موجود ہے اور چین کی شاعری اس

سفر کے نشانات کی امین ہے۔

حوالہ جات و حواشی:-

* اسسٹنٹ پروفیسر، نیشنل یونی ورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد۔

۱۔ آفتاب اقبال شمیم، "کچھ چین کی شاعری کے بارے میں" دیباچہ چین کا ادب (عہد بہ عہد شاعری سے انتخاب) (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۶ء)، ص ۹۔

۲۔ لیف لیونتیف، سیاسی معاشیات مترجم امیر راشد خاں (ماسکو: دارالاشاعت ترقی ۱۹۷۵ء)، ص ۱۵۔

۳۔ ایچ جی ویلز، مختصر تاریخ عالم ترجمہ محمد عاصم بٹ (لاہور: تخلیقات، ۱۹۹۶ء)، ص ۱۲۸۔

۴۔ ایضاً، ص ۱۲۹۔

۵۔ ڈاکٹر وہاب اشرفی، تاریخ ادبیات عالم (اسلام آباد: پورب اکادمی، جون ۲۰۰۶ء)، ص ۲۱۵۔

۶۔ http://en.wikipedia.org/wiki/Humanism، ۲۶ اکتوبر ۲۰۱۲ء۔

۷۔ پال کینیڈی، عظیم طاقتوں کا عروج و زوال ترجمہ ڈاکٹر محمود الرحمٰن (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۸ء)، ص ۴۲۔

۸۔ ایضاً۔

۹۔ آفتاب اقبال شمیم، "کچھ چین کی شاعری کے بارے میں" دیباچہ چین کا ادب، ص ۹۔

۱۰۔ نامعلوم شعراء، "شیہ چنگ سے انتخاب" مشمولہ چین کا ادب، ص ۲۰، ۲۱، ۲۲۔

۱۱۔ اقتباس کا انگریزی متن یوں ہے:

"... it tells the story of his political life: his efforts to guide the king and country, his struggle at court and defeat by the opposite faction, his uprightness and loyalty which make him unfit for the crooked and debased ways of the world. But in spite of all, he continues to aspire to the ancient ways, to show sympathy for the people, and to keep intact the purity of his character. At the same time, he persists in the cultivation of his grace and virtue; they are symbolized by the fragrance and beauty of flowers he uses as ornament."

لیو وو چی (Liu Wu-Chi)، *An Introduction to Chinese Literature* (Wesport: Greenwood Publishing Group, CT 06881, USA 1990)، ص ۳۱۔

۱۲۔ چیو یوآن، "لی ساؤ" ترجمہ عابد سیال مشمولہ چین کا ادب، ص ۳۹، ۴۵، ۵۲۔

۱۳۔ ایضاً، ص ۳۸۔

۱۴۔ http://www.britannica.com/EBchecked/topic/112603/Chinese-literature/61274/Poetry، ۲۶ اکتوبر ۲۰۱۲ء۔

۱۵۔ نامعلوم شاعر، "ہان دور کی نظمیں" ترجمہ محمد عاصم بٹ مشمولہ چین کا ادب، ص ۲۹، ۳۰۔

۱۶۔ جان چی، "ایک نظم" ترجمہ عابد سیال مشمولہ چین کا ادب، ص ۶۶، ۶۷۔

۱۷۔ ایضاً، ص ۶۸

۱۸۔ لی پو، "ایک نظم" ترجمہ محمد عاصم بٹ مشمولہ چین کا ادب، ص ۱۲۴۔

۱۹۔ سن کان تسو، "ایک نظم" ترجمہ محمد عاصم بٹ مشمولہ چین کا ادب، ص ۱۲۶۔

۲۰۔ یوان مے ای، "بولنے کا فن" ترجمہ عابد سیال مشمولہ چین کا ادب، ص ۱۴۰۔

۲۱۔ یوان مے ای، "شمع" ترجمہ عابد سیال مشمولہ چین کا ادب، ص ۱۴۰۔

۲۲۔ یوان مے ای، "مطالعہ" ترجمہ عابد سیال مشمولہ چین کا ادب، ص ۱۴۰۔

مآخذ

اشرفی، ڈاکٹر وہاب۔ تاریخ ادبیات عالم۔ اسلام آباد: پورب اکادمی، جون ۲۰۰۶ء۔

شمیم، آفتاب اقبال۔ مرتب چین کا ادب (عہد بہ عہد شاعری سے انتخاب)۔ اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۶ء۔

کینیڈی، پال۔ عظیم طاقتوں کا عروج و زوال۔ ترجمہ ڈاکٹر محمود الرحمٰن۔ اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۸ء۔

لیونتیف، لیف۔ سیاسی معاشیات۔ مترجم امیر راشد خاں۔ ماسکو: دارالاشاعت ترقی ۱۹۷۵ء۔

لیو وو چی (Liu Wu-Chi)۔ *An Introduction to Chinese Literature*۔ Wesport: Greenwood Publishing Group, CT 06881, USA 1990۔

ویلز، ایچ جی۔ مختصر تاریخ عالم۔ ترجمہ محمد عاصم بٹ۔ لاہور: تخلیقات، ۱۹۹۶ء۔

http://en.wikipedia.org/wiki/Humanism

http://www.britannica.com/EBchecked/topic/112603/Chinese-literature/61274/Poetry